میں مظلوم ہوں

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

میں مظلوم کوئی مرد، عورت، جوان یا بچہ نہیں ہوں بلکہ میں مظلوم پاکستان ہوں۔ برصغیر یعنی پاک و ہند میں حضرت سنان بن سلمٰی بن محبق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی تخم ریزی کی۔ پھر مسلمان صوفیا حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست مجاہدات کر کے اپنی تبلیغ و دعوت سے برصغیر میں اسلام کو پھیلایا۔ سلطان محمود غزنوی نے ہندو مہاراجاؤں کے ظلم و ستم کے خلاف بار بار حملے کر کے برصغیر کی زمین کو نرم کیا یہاں تک کہ شہاب الدین غوری یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ عرصۂ دراز تک اس خطے نے مختلف مسلمان بادشاہوں کی زیرِ نگرانی امن و امان اور آسودہ حالی کی زندگی گزاری۔ جدید اسلحے کی ایجاد اور جدید آلاتِ جنگ کی وجہ سے یورپ ساری دنیا پر چھا گیا جس کے نتیجے میں برصغیر کی مسلمانوں کی حکومت بھی چھن گئی اور غلامی کا دور شروع ہوگیا۔

انگریز نے عربی و فارسی کا خاتمہ کر کے انگریزی کو دفتری زبان بنا دیا اور مسلمانوں کو مسلسل پیچھے دھکیل دھکیل کر ہندوؤں کو آگے کر دیا۔ جب اکابر دیوبند کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کامیاب نہ ہوئی تو انھوں نے ایک عرصۂ دراز تک تیاری کرنے کے لئے علمی میدان میں کام شروع کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سال دیوبند میں تدریس کر کے جنودِ ربانیہ کا ایک خفیہ لشکر تیار کیا، ترکیہ سے فوجی مدد مانگی اور ایران اور افغانستان سے راستہ لیا۔ اس تحریک کا نام ریشمی رومال تحریک تھا جس کا ہندو بھی ساتھ دے رہے تھے۔ ایران کی سازش سے تحریک کا راز فاش ہوگیا ورنہ برصغیر دوبارہ اسلامی حکومت بن رہا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ہٹلر نے حکومتِ برطانیہ کی کمر توڑ دی تو سمجھدار لوگوں کو

احساس ہوا کہ اب برطانیہ ہندوستان پر کنٹرول باقی نہیں رکھ سکے گا۔ چنانچہ ہندوؤں نے آزادی کی تحریک کانگریس کے نام سے شروع کر دی۔ مسلمانوں کی مضبوط جماعت جمعیت علمائے ہند بھی جدوجہد میں مصروف ہوگئی۔ علما نے اخلاص کے ساتھ کانگریس کے ساتھ مل کر کام کیا اور مرکز میں ۴۵ فیصد ہندو، ۴۵ فیصد مسلمان اور ۱۰ فیصد اقلیتوں کی سیٹوں پر فیصلہ ہوگیا جبکہ ہر صوبے میں جس طبقے کی اکثریت ہو اس کی حکومت مان لی گئی۔ لیکن کانگریس کے ہندو، علما کی طرح مخلص نہیں تھے، جس کا مظاہرہ مختلف موقعوں پر ہوتا رہا۔ علما کا ایک گروہ، جس کے سرخیل حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کی حفاظت علیحدہ مملکت میں ہی ہوگی۔ یہ بات انھوں نے اپنی مجالس میں کہنا شروع کر دی اور مریدوں اور خلفا کو تلقین شروع کر دی۔ اسی اثنا میں مسلمانوں کے عظیم دانشور علامہ اقبال مرحوم نے علیٰ الاعلان علیحدہ اسلامی مملکت کا فارمولا پیش کر دیا۔ جناب علامہ کی صحت تحریکوں کے لئے فِٹ نہیں تھی اس لئے انھوں نے کوشش کر کے قائداعظم محمد علی جناح اور نوابزادہ لیاقت علی خان کو برطانیہ سے بلایا۔ مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی تحریک موجود تھی لیکن صحیح قیادت نہ ہونے کی وجہ سے غیر مؤثر تھی۔ قائداعظم نے اس تحریک کو اپنے ہاتھ میں لیا اور کام شروع کر دیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھرپور تائید اور ان کے خلفاء جناب شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتھک کوششوں سے مسلم لیگ کو عام مقبولیت حاصل ہوگئی۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان جیسے صحافیوں کی مضبوط تحریروں نے برصغیر کے مسلمانوں کو ہلا ڈالا۔ نوجوان کارکنوں نے جان کی بازی لگا کر ملت اسلامیہ ہندیہ کے دماغ کو جھنجھوڑ دیا۔ چنانچہ ایک نوجوان اشرف خان جن کی عمر ۲۳ سال تھی، جو بعد میں حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی کے نام سے بہت بڑی علمی اور روحانی شخصیت بنے اور پشاور یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے صدر بھی رہے، نے فرمایا کہ جب صوبہ سرحد میں کانگریس کی حکومت بن گئی تو ہمیں مرکز

سے پیغام ملا کہ کانگریس حکومت کے اسمبلی کے اجلاس کو بہر صورت ناکام کرنا ہے۔ فرمانے لگے کہ میں مسلم لیگ کے جلوس کی قیادت کرتا ہوا صوبائی اسمبلی ہال، جو آجکل کی ہائی کورٹ کی عمارت ہے، کے قریب پہنچ گیا۔ ہال کے قریب اس جگہ جہاں اوپر سے ریل گزرتی ہے اور نیچے سڑک ہے پہنچے تو سرخ فیتہ بندھا ہوا تھا اور انگریزوں کی پولیس کھڑی تھی اور اشتہار لگا ہوا تھا کہ جس نے فیتہ پار کیا اس پر گولی چلے گی۔ کہنے لگے کہ نعرۂ تکبیر لگا کر میں نے پار کیا، پھر پیر مانکی صاحب نے پار کیا، جن کی عمر پچیس سال تھی، ان کے پیچھے ان کے مریدوں نے پار کیا، پولیس نے گولی چلائی، ایک مرید شہید ہوا اور ایک کے گھٹنے میں گولی لگی۔ اس واقعے نے پورے برصغیر میں تہلکہ مچا دیا اور ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ'' کی گونج ہر طرف سنائی دینے لگی۔ لوگ جوق در جوق مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور مملکت خداداد پاکستان وجود میں آگئی۔

محبِ وطن اور دردمند مسلمان پاکستان بننے سے فوراً پہلے یا فوراً بعد اس فانی دنیا کو چھوڑ کر چلے گئے۔ میں دکھیا پاکستان مفاد پرست، رشوتی، بزدل اور بیوقوف سیاستدانوں کے ہاتھ میں آگیا جنھوں نے حکومت کا کباڑا کر کے رکھ دیا۔ اقوام متحدہ میں جب میں (پاکستان) کشمیر میں رائے شماری کا اصول جیت گیا تو اس وقت کی حکومت سے اتنا نہ ہو سکا کہ رائے شماری کروالے۔ کسی نے نہرو سے پوچھا کہ پاکستان کے ساتھ مذاکرات کیوں نہیں کرتے۔ اس نے جواب میں کہا: ''میں کس کے ساتھ مذاکرات کروں؟ میں نے ابھی پاجامہ نہیں بدلا ہوتا کہ پاکستان میں حکومت بدل جاتی ہے۔''

ان مفاد پرست، بے غیرت اور بددیانت حکام نے تو باریاں مقرر کی ہوئی ہیں۔ ایک آتا ہے، سودی قرضے کا انبار لیتا ہے، آدھا لوٹ کر باہر ممالک میں نکال کر اپنے لئے کاروبار، محلات اور بینک بیلنس بنا لیتا ہے اور پھر دوسرے کو باری دے دیتا ہے، اور اس سودی قرضے کو قوم کے کھاتے میں ڈال کر اس کا کچھ مزنکال لیتا ہے کیونکہ اس پیسے کو ٹیکسوں کی شکل میں قوم نے ہی ادا کرنا ہوتا ہے۔

اسی تناظر میں اسلام کے نام کی جمہوری پارٹیاں ہیں جو ان مفاد پرستوں کے کندھے سے کندھا ملا کر چل رہی ہیں۔ ان کے عقل وشعور اور دینی وابستگی کو ایک واقعے سے ہی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جب ایک وحشی اور ظالم ڈکٹیٹر پرویز مشرف نے اسمبلی سے این آر او (N.R.O) کا قانون منظور کروانا چاہا تو اس پر نام نہاد سیاستدانوں کے ساتھ ساتھ جمہوری دینی پارٹی کے لیڈروں کے دستخط بھی تھے۔ اس قانون کا مطلب یہ تھا کہ قاتل، ڈاکو، چور اچکے، بھتہ خور اور غنڈے، سب معاف ہوگئے۔ ان دینی لوگوں کو اس بات کا شعور نہ ہوا کہ حضور ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ جو مجرم کو شرعی سزا ملنے میں رکاوٹ بنے گا اس کو ردغت الخبال میں ڈالا جائے گا۔ ردغت الخبال جہنمیوں کے خون اور پیپ کے تالاب کو کہا جاتا ہے۔ یہ گناہِ کبیرہ تھا لیکن جمہوری دینی لوگوں کو اس کا کچھ احساس نہ ہوا۔

اس سے زیادہ سر پیٹ لینے والی بات یہ تھی کہ پورے ملک کے مدارس، مشائخ اور اکابر میں سے کسی نے نہ باز پُرس کی، نہ ان کا اخبار میں کوئی بیان آیا اور نہ ان کے کان پر جوں رینگی۔ جمہوری دینی لوگوں کو تو کافی سارے مفادات ملے ہوئے تھے لہٰذا ان کی زبانیں بند تھیں لیکن باقیوں کو کیسے سانپ سونگھ گیا تھا؟ جب یہاں تک گراوٹ ہو جائے تو پھر میں مظلوم اور دکھیا پاکستان ان غموں کو کب تک سہہ سکوں گا!

ھماری ثقافت کے زر و گوھر

زبان در دھان تا بود جایگیر — ثنائے محمد بود دل پزیر
حبیب خدا اشرف انبیاء — که عرش مجیدش بود متکا

زباں جب تلک منہ میں ہے جاگزیں — ہے کرتی ثنائے نبی دل نشیں
حبیبِ خدا انبیاء کے بڑے — ہیں عرشِ معلّٰی کے تکیہ نشیں

(فارسی اشعار شیخ سعدیؒ۔ منظوم ترجمہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط ۷۷)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

انسان ہمت کرے تو اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے:

یہ جرمنی کی تبلیغی جماعت کے افراد کی سنائی ہوئی کارگزاری ہے۔ یہ افراد رائے ونڈ سے چار چار ماہ لگا کر اپنے کارخانے میں کام پر واپس پہنچے۔ کام کی ترتیب ایسی تھی کہ اس میں ظہر کی نماز آتی تھی۔ ان افراد نے اپنی انتظامیہ سے بات کی اور نماز ظہر کے لیے وقفہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ انتظامیہ نے واضح جواب دے دیا کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں، یا آپ کام کریں یا ملازمت چھوڑ دیں۔ جماعت کے اصولوں میں جذباتی ردِعمل بالکل نہیں۔ ان کے ہاں زور کی بجائے زاری پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ اہم کام آپس میں مشورہ کر کے یا اکابر سے مشورہ کر کے کرتے ہیں اور آخری حد تک کوشش کرتے ہیں کہ ٹکراؤ نہ ہو۔ صلوٰۃ حاجت پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگتے گئے۔ آخر ایک تجویز ان کے ذہن میں آگئی۔ انھوں نے انتظامیہ سے کہا کہ ہمیں جتنا تیار مال آپ کو ان گھنٹوں میں دینا ہے اس کی مقدار دے دیں اور جتنے گھنٹوں میں آپ چاہتے ہیں ہم آپ کو نماز پڑھنے کے باوجود پورا کر کے دیں گے۔ اس بات کو ادارے نے مان لیا۔ ان لوگوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور ان کو مقررہ مقدار میں تیار مال بھی دے دیا۔ ان کا مال بھی اچھا رہا، کارکردگی بھی اچھی رہی۔ برکت کو تو وہ لوگ مانتے نہیں، انھوں نے اس واقعے کی تشریح اس طرح سے کی کہ دراصل انھوں نے جب منہ ہاتھ دھوئے تو Fresh (تازہ) ہو گئے، وقفہ کیا تو Relax (آسودہ) ہو گئے، اور نماز کا انھوں نے کہا کہ جب Meditation یعنی مراقبہ کیا تو اس سے Tune-up (چست) ہو گئے، اس لیے ان کی کارکردگی اچھی رہی۔

جب سوچ متاثر نہ ہو تو انسان کا باطن کا نظام متاثر ہی نہیں ہوتا اور جب

باطن کا نظام ھی متاثر نہ ھو تو گناہ کے حالات ھی نہیں بنتے:

فرمایا کہ ہمارا ملک جب سے بنا ہے امریکہ نے اس کو اپنی پکڑ میں لیا ہوا ہے۔ اس وقت دنیا میں دو بلاک کام کر رہے تھے۔ ایک روس کا بلاک تھا جو کہ دہریت والے تھے، خدا کی ذات کا انکار کرنے والے تھے، وہ کمیونسٹ بلاک (Communist Block) تھا، اشتراکیت اور اشتمالیت والا۔ یعنی سارا مال ریاست کی ملکیت ہو جائے اور لوگوں کو مساوی تقسیم کر کے دیا جائے تاکہ معاشی اونچ نیچ نہ ہو اور سارے لوگ آسودہ ہو جائیں، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ساری خطاؤں کی بنیاد سرمایہ داروں نے رکھی ہے اور مذاہب بھی سرمایہ داروں ہی کے آلۂ کار بنتے رہے ہیں۔ جبکہ دوسرا بلاک Capitalist Block تھا، سرمایہ دارانہ نظام والا، جس میں امریکہ بھی شامل تھا۔ پہلا بلاک یعنی اشتمالی، اشتراکی جب کسی ملک پر یلغار کرتے تھے تو وہاں سے مذہب کا خاتمہ کرتے تھے۔ کیا عیسائیت کیا یہودیت سارے مذاہب کا خاتمہ کرتے تھے، اور دنیائے اسلام کی طرف اگر بڑھتے تھے تو وہاں پر سب سے پہلے توحید کا اور خدا تعالیٰ کے ماننے کا خاتمہ کرتے تھے۔ جب کہ سرمایہ دارانہ (Capitalist) بلاک کا طریقۂ کار یہ تھا کہ نفس پرستی والی اور نفس کی چاہت والی زندگی، فسق و فجور والی اور گناہ والی زندگی کو عام کر دیا جائے، کیونکہ ان کی بنیاد گناہوں اور فسق و فجور والی زندگی کی ہے، لہٰذا ان کی طرح ہو کر ان میں مدغم ہو جائیں گے۔

کسی ملک یا قوم پر غلبہ حاصل کرنے کے دو راستے اور طریقے ہوتے ہیں۔ ایک چیز ہے تعلیم اور ایک چیز ہے معیشت۔ تعلیم سے تو آپ کسی ملک یا علاقے کو دماغ دیتے ہیں جو سوچتا ہے۔ لہٰذا تعلیم سارے ملک کو سوچ دلاتی ہے۔ تھنک ٹینک (Think Tank) کے الفاظ آپ نے اخباروں وغیرہ میں سنے ہوں گے۔ دانشور طبقہ سوچتا ہے اور پھر عمل کی بنیاد دیتا ہے، ایک تو یہ طبقہ اپنا ہو جائے یعنی Think Tank اپنا ہو اور وہ تعلیم کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور دوسری چیز ہے معیشت۔ یہ بات تو پکی ٹھکی اور واضح ہے کہ کرتا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور توحید کا یہی تقاضہ ہے لیکن اللہ تبارک

وتعالیٰ نے اپنے احکامات اور اپنے فیصلوں کا نفاذ اسباب کے واسطے کر رکھا ہے۔ اور معیشت تو دین کا رکن ہے۔ سارے لوگ کہیں گے ارکان تو کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہیں اور ڈاکٹر صاحب کہہ رہا ہے کہ معیشت بھی رکن ہے۔ جی جناب! معیشت رکن ہے۔ زکوٰۃ جو ہے یہ صرف ڈھائی فیصد حصہ دینا نہیں ہے، یہ پورا اسلام کا نظامِ معیشت ہے۔ اس کے نمائندہ کے طور پر زکوٰۃ کو سامنے کیا گیا ہے ورنہ یہ پانچواں رکن ہے معیشت، جس میں زکوٰۃ، صدقات، خیرات اور مختلف قسم کے جو مالی شعبے ہیں وہ سارے اس کے تحت آجاتے ہیں اور زکوٰۃ کے علاوہ جو فقہ کی کتابوں میں بیع وشراع کی پوری کتاب رکھی گئی ہے، اس کا پورا ایک باب رکھا گیا، وہ بھی اس لئے کہ معیشت دین کا ایک ضروری شعبہ ہے۔

بذریعۂ دانشوران کسی ملک پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ پاکستان کے مغربی دنیا کے ساتھ معاہدات تھے، ہمارے طلبہ اعلیٰ تعلیم کیلئے ان ہی ممالک کی طرف جاتے گئے۔ ہر ملک چاہتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب وثقافت اور اس کا نظریہ بھی اگلے ملک میں عام ہو، تاکہ اس ملک میں ان کی بنیادیں مضبوط ہوں اور اُن کے معاشی وسائل اِن کے قبضہ میں آجائیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ہمارے طلباء کی خوب ذہن سازی کی اور ان کو اپنی تہذیب، ثقافت، اپنے عقیدے، نظریے اور اپنی زندگی اور سرمایہ دارانہ نظام کا عادی بنایا۔ ہماری یونیورسٹی میں امریکہ سے پڑھ کر آئے ہوئے ایک پروفیسر کا کہنا ہے کہ جب میں یہاں پر آیا تو آکر کہا کہ The life is so monotonous over here! کہ زندگی تو یہاں پر بڑی پھیکی ہے۔ یہاں کوئی American Alumni Association بنانی چاہیئے۔ یعنی امریکہ سے جو روشنی حاصل کر کے آئے ہوئے ہیں ان لوگوں کی ایک تنظیم بنانی چاہیئے۔ یہاں پر کوئی Cultural Activities یعنی کوئی ثقافتی سرگرمیاں ہوں کہ زندگی یہاں کتنی پھیکی ہے۔ اللہ کی شان کہ اس کو ہمارے چند ساتھی ٹکرے اور لے گئے تبلیغی جماعت کے چِلّے پر۔ جوں چلے سے آیا تو ساری ثقافتی سرگرمیاں دھری کی دھری رہ

گئیں اور آدمی کو زندگی بدلنے کی اللہ نے توفیق دے دی۔

اس سلسلے میں مجھے یاد ہے، میں ۱۹۶۴ء میں پشاور یونیورسٹی میں آیا ہوں ۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۸ء ان چار پانچ سالوں میں جو آدمی مغربی دنیا سے واپس آتے تھے اکثر کا ایمان سلب ہو چکا ہوتا تھا، اور اگر کوئی ایمان لے کر بھی واپس آتے تھے تو وہ فسق و فجور اور گناہوں کے عادی ہو چکے ہوتے تھے۔ اس جگہ اس واقعے کو میں آپ کو بتا دوں کہ جس وقت پیر سانگھڑ کو انگریزوں نے پھانسی پر لٹکایا ہے تو اس کے بیٹوں کو تربیت کیلئے برطانیہ بھیجا ہے۔ موجودہ پیر پگاڑا وہاں سے گریجویشن کر کے آیا ہے، گدی پر بیٹھتا ہے، عرس کی چادر چڑھاتا ہے، مرید آ کر اس کے ہاتھ چومتے ہیں لیکن خود اس نے اخباروں میں بیان دیے ہوئے ہیں، لوگوں کی معلومات میں ہوگا، کہتا ہے کہ کیا کروں نماز پڑھنے کی مجھے توفیق نہیں ہوتی! ایسا عادی بنایا اس کو مغربی طرزِ زندگی کا کہ اب اس کے اعصاب سے نکل نہیں سکتی۔ انسان تو گوشت پوست اور ہڈی پٹھے کا نام نہیں ہے انسان تو سوچ اور فکر کا نام ہے جو اس کے قلب میں ہے۔ بقول مولانا روم:

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست

آدمیت جُز رضائے دوست نیست

ترجمہ: آدمیت گوشت، چربی اور جلد کا نام نہیں ہے۔ آدمی دوست (اللہ) کی رضا کے جذبے کا نام ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ باطل اس طرح سے کام کرتا ہے اور اس کا حدف نوجوان ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ جب سے یونیورسٹی میں تشریف لائے اور کام شروع کیا تو اس کے بعد میں نے دیکھا کہ مغرب جانے والے جب واپس آئے ہیں تو کسی کا ایمان سلب نہیں ہوا، اور حضرت کے تربیت یافتہ ساتھی جو گئے ہیں، وہ تو ان کی فضا میں تہلکہ مچا کر آئے ہیں اور لوگوں کو مسلمان کر کے آئے ہیں۔ وہاں پانچ سال Ph.D کرنے میں لگتے ہیں۔ وہ ممالک ہمارے

ساتھیوں کو بلاتے رہے لیکن وہ ان پانچ سالوں میں متأثر نہیں ہوئے مغرب سے۔ پھر انہوں نے خاص طور سے ہمارے ساتھیوں کو مزید ایک سال کیلئے بلایا، جس کو پوسٹ ڈاکٹورل ریسرچ کہتے ہیں۔ پوسٹ ڈاکٹورل ریسرچ کیلئے جب بلایا تو اس کیلئے ضروری قرار دیا کہ اس آدمی کے بال بچے ساتھ نہیں آئیں گے۔ پہلے تو یہ بال بچے ساتھ لے کر آتے رہے اور ہمارے پیشاب سے بھی بچ کر چلے گئے اور یہاں کی ٹٹی سے بھی بچ کر چلے گئے، پیشاب ان کی شراب اور ٹٹی ان کی گوں کی بھری ہوئی بے ترتیبی عورتیں، اس لئے ان کو پھر بلائیں۔ اس میں ہمارے دو ساتھی شیر حسن صاحب اور عالم خان صاحب گئے تھے۔ شیر حسن صاحب تو عمر میں ہم سے بڑے ہیں اس لئے ان سے زیادہ بے تکلف بات نہیں کر سکتے۔ عالم خان صاحب ہم سے چھوٹا ہے تو اس سے میں نے کہا: یا عالم خانه یو کال تلے وے بال بچ نه بغیر نو گڑ بڑ شوے نه وے الته؟ کہ ایک سال کیلئے بال بچوں کے بغیر گیا تھا تو وہاں پر تو گڑ بڑ تو نہیں ہوا؟ تمہارے جذباتِ جنسیہ تو برانگیختہ نہیں ہوئے؟ اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب! یہ جذباتِ جنسیہ کا برانگیختہ ہونا تو سوچ کے ساتھ متعلق ہے۔ It is a hormonal orchestra, if you beat it; it sounds, if you don't beat it; it does not sound. یہ تو غدود و عروق کا ایک طائفہ ہے، جس طرح کہ ڈھول باجے والوں کا، بینڈ والوں کا ہوتا ہے، یہ تو ایک طائفہ ہے بجائیں تو بجتا ہے نہ بجائیں تو نہیں بجتا۔ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت مولانا صاحبؒ کی تربیت تھی۔ ایک سال تک اپنی سوچ اس طرف آنے کو ہی نہیں دی۔ جب سوچ متاثر نہ ہو تو انسان کا باطن کا نظام متاثر ہی نہیں ہوتا ہے۔ باطن کا نظام ہی متاثر نہ ہو تو گناہ کے حالات ہی نہیں بنتے۔ بفضلہٖ تعالیٰ مجھے اس سال میں کچھ نہیں ہوا۔ نہ ان کی گوں کی بھری ہوئی عورتوں سے متاثر ہوا اور نہ ان کی کسی اور چیز سے متاثر ہوا۔

جنوبی افریقہ ہمارے کافی سفر ہوئے ہیں۔ پہلا سفر ہوا تو ساتھی پوچھ رہے تھے کہ کیا تأثر ہوا ہے۔ میں نے کہا جب میں وہاں اترا، وہاں کے انگریز کو جو اللہ نے صحت اور حسن و جمال دیا

ہے، خوبصورتی دی ہے، پھر ان کا بننا ٹھننا، پھر آدھا ننگا لباس پہنے ہوئے اس کی عورتیں پھرتی ہیں، پھر ہوائی اڈے پر تو خاص کر سارا حسن و جمال جمع ہوتا ہے، تو میں نے کہا کہ ہم جب پہلی بار اترے تو اترتے ہی اک ہوک اٹھی دل سے۔ ہوک کیا تھی! فوراً یہ آیت آئی:

وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝

ترجمہ: ان سب کا ٹھکانہ جہنم ہے، جس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازہ (میں سے جانے) کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں (کہ کوئی کسی دروازے سے جائے گا کوئی کسی دروازے سے) (الحجر: ۴۳، ۴۴) (معارف القرآن)

آہ! ان سب سے جہنم کا وعدہ ہو چکا ہے۔ سارے حسن و جمال اور خوبصورتی کے پیچھے جہنم کی آگ کی وہ لپٹیں اور جہنم کی آگ کے وہ شعلے نظر آرہے تھے جس کی طرف یہ بڑھ رہے تھے۔

تو اس پر وفیسر صاحب نے کہا کہ میں ایک سالہ قیام میں ذرا ان سے متاثر نہیں ہوا ہوں۔ تو بھائی میرے یہ سوچ اصل میں نفس کی تربیت ہے۔

نہ بولتا تو نہ مرتا، نہ بولتا تو نہ پٹتا:

فرمایا کہ اس وقت ساری دنیا میں ہمارے سلسلہ چشتیہ صابریہ کی جو موجودہ ترتیب چل رہی ہے اس کی بنیاد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کتاب ہے اس کتاب کا نام ہے ''امداد السلوک''۔ اس میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک بادشاہ تھا، بڑا سمجھدار اور دانشور آدمی تھا۔ اس نے چاہا کہ اس کے بعد اس کا بیٹا بھی اسی طرح حکومت کرے جس طرح کہ وہ کر رہا ہے یعنی شریعت کے مطابق حکومت ہو، خدمتِ خلق والی حکومت ہو۔ اس کے لئے سب سے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ یہ عالم ہو، علما کی صحبت اٹھائے ہوئے ہو۔ لہٰذا اس کو علما کے حوالے کیا، اساتذہ کرام صاحبان نے اسے پڑھا لکھا کر زبردست عالم بنا دیا۔ جب عالم بنا تو اس نے ایک خاص بات سمجھ لی کہ انسان کا بولنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور بہتر چیز خاموشی ہے۔ جب

واپس آیا تو والد صاحب نے کہا کہ تقریر کرو تو تقریر نہ کرے، کہا باتیں کرو تو باتیں نہ کرے۔ کیا باپ ہوا کیا بیٹا ہوا، اس نے بات کر کے نہیں دی۔ اب کیا ہوگا جو آدمی بولے نہیں تو حکومت کیسے کرے گا تو بادشاہ کو اس کے وزیروں نے، سمجھدار لوگوں نے، دانشوروں نے کہا کہ اس کو شکار پر باہر لے جایا جائے۔ بندہ جب دوڑتا ہے اور جذباتی ہوتا ہے پھر کوئی نہ کوئی بات اس کی زبان سے نکل آتی ہے۔ اس کو شکار پر لے گئے۔ شکار کے پیچھے پھر رہے تھے، پھرتے پھرتے ایک جھاڑی کے پیچھے سے ایک تیتر نے آواز نکالی۔ جوں آواز نکالی شکاری نے تیر مارا اور تیتر شکار ہو گیا تو بادشاہ کے بیٹے کی زبان سے بات نکلی کہ نہ بولتا تو نہ مرتا۔ لوگ بڑے خوش ہوئے کہ بالآخر شہزادے نے بھی کوئی بات کی۔ اب اس کو کہیں بولو، وہ پھر نہ بولے۔ بہت کہا، آخر بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ کرو اس کی پٹائی۔ کارندوں نے جو اس کی پٹائی کی تو شہزادے نے کہا ''نہ بولتا تو نہ پٹتا۔'' سبحان اللہ!

(جاری ہے)

(صفحہ نمبر۰۰ سے آگے) اور مصر میں نبو (Nebo) پہاڑ اور Dead Sea کے درمیان موجود سڑک پر بھی Reverse Slope پایا جاتا ہے۔ ان جگہوں کے علاوہ دنیا کے ۲۰ سے زیادہ ممالک میں Reverse Slope موجود ہے۔

چین کے ایک سفر میں، میں نے گانسو (Gansu) کے مقام پر موجود Reverse Slope کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں ''وادئ جن'' کے Reverse Slope کا بھی میں عینی شاہد ہوں۔

(واضح رہے کہ کچھ عرصہ پہلے بندہ نے اپنے ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۰۱۴ء کے حج کی روئیداد میں اپنا ذاتی تجربہ لکھا تھا کہ گاڑی ڈھلوان پر کھڑی کی، نیوٹرل کرنے پر ڈھلوان پر بجائے نیچے جانے کے اوپر چڑھنے لگی۔ پھر اس راستے پر گاڑی نیوٹرل کر کے چھوڑی تو اس نے بغیر انجن کے خود بخود ۱۳۰ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کر لی۔ کچھ انجینئر صاحبان اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے اس لئے بندہ نے ڈاکٹر قیصر صاحب سے اس پر تحقیقی بحث کرنے کو کہا۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

بیان

(قاضی فضل واحد صاحب)

(خانقاہ میں دورۂ تفسیر مکمل ہونے کے بعد ایک تقریب مقرر کی گئی جس میں جناب مولانا طفیل صاحب، جناب قاضی فضل واحد صاحب اور جناب مولانا عدنان صاحب کے بیانات ہوئے)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم، اما بعد

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَھُوَ شَہِیۡدٌ (ق:۳۷)

یقیناً (بے شک رتحقیق) اس (قرآن کریم) میں نصیحت ہے۔

یہ قرآن کریم مُنزَّل من اللہ (بتدریج نازل شدہ) ہے۔ بقول حافظ اللہ یار صاحب فی کتابہٖ ''مطالعۂ قرآن''، مدتِ نزول بائیس سال پانچ ماہ اور بائیس دن ہے۔ کل آیاتِ کریمہ ۶۶۶۶ بروایت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (بحوالہ علوم القرآن علامہ سید شمس الحق افغانیؒ)

کل پارے راجزاء تیس مساوی باعتبار تلاوت کے نہ کہ باعتبار آیات کے۔ (پہلے دو پاروں میں آیات کی تعداد: سورۃ فاتحہ سات، سورۃ بقرۃ ۲۵۲ اور آخری دو پاروں میں آیاتِ کریمہ کی تعداد ۷۹۹ ہے)

اجزا اور پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے، کب کی ہے؟ بقول مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے معلوم نہیں ہوا باوجود کوشش بسیار کے۔ (علوم القرآن) البتہ عین منشاء نبوی ﷺ کے مطابق ہے، اس لئے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے استفسار کیا کہ قرآن مجید کتنے عرصے میں ختم کروں تو ارشادِ عالی ہوا: ''تیس دن میں''۔ لیکن انھوں نے پھر عرض کیا کہ اس سے کم مدت میں ختم کرسکتا ہوں۔ تو فرمایا: ''سات دنوں میں۔'' جب انھوں نے اس سے کم عرصے

میں ختم کرنے کی اجازت چاہی تو فرمایا: ''تین دن سے کم مدت میں ختم نہ کرو''۔

اس لئے اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سات دنوں میں ختم کرتے تھے اور قرآن کریم کو سات منزلوں میں (جو کہ مساوی نہیں) تقسیم کیا۔ حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانویؒ نے ایک لفظ "فمی بشوق" میں اس کو ادا کیا ہے۔

ف: پہلا حزب/منزل سورۃ فاتحہ سے۔ م: دوسرا حزب سورۃ مائدہ سے۔ ی: تیسرا حزب سورۃ یونس سے۔ ب: چوتھا حزب سورۃ بنی اسرائیل سے۔ ش: پانچواں حزب سورۃ شعراء سے۔ و: چھٹا حزب سورۃ والصّٰفّٰت سے۔ ق: ساتواں حزب سورۃ ق سے آخر تک۔

حضرت امام غزالیؒ نے ایک پارہ روزانہ ''پہلا درجہ'' (ادنیٰ درجہ)، سات دنوں میں ختم کرنا ''دوسرا درجہ'' (اوسط درجہ) اور تین دنوں میں ختم کرنا ''اعلیٰ درجہ'' لکھا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''میں نے ہمیشہ دس پارے روزانہ پڑھے ہیں۔ اس میں ناغہ نہیں کیا۔''

متفق علیہ ۱۱۴ سورتیں ہیں البتہ حضرت ابی بن کعبؓ کے نزدیک ۱۱۳ ہیں کیونکہ وہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ دونوں کو ایک سمجھتے ہیں۔

مکی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں۔ وہ ۸۶ ہیں۔

مدنی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ وہ ۲۸ ہیں۔

یہ تقسیم حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد کی ہے۔ (بحوالہ علوم القرآن مفتی تقی عثمانی)

مدرسین نے طلبہ کو درس کے دوران بتا دیا کہ یہ سورۃ مکی ہے، یعنی اس سورۃ میں احکامات کم اور توحید، رسالت اور آخرت کے موضوعات زیادہ ہیں، اور یہ سورۃ مدنی ہے جس میں احکامات زیادہ ہیں (قتال، روزہ، زکوٰۃ، حج) منافقین وغیرہ کا ذکر زیادہ اور ساتھ ساتھ توحید رسالت اور آخرت کے بارے میں بھی ذکر موجود ہے۔

کل سجدے چودہ ہیں البتہ سورۃ حج میں دوسرا سجدہ امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے۔ حکیم

الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی بطور ادب واحترام کے اس مقام پر سجدہ کرنا چاہئے۔ البتہ حالتِ نماز میں سورۃ ختم کر کے رکوع میں جاتے وقت رکوع ہی کے اندر سجدے کی نیت کرے۔

رکوعات کے بارے میں اگرچہ تحقیق بہت کی گئی مگر ''علوم القرآن'' میں مفتی محمد تقی عثانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فتاویٰ عالمگیری میں اجماع نقل کیا ہے کہ کُل ''۵۴۰'' ہیں تاکہ حافظ قرآن اگر تراویح میں (رمضان المبارک) میں ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھے تو ستائیس راتوں میں بآسانی قرآن کریم ختم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تراویح کی تعداد بیس ہے۔

حروف مقطعات کُل چودہ ہیں جو ۲۹ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ یک حرفی (ق، ص)، دوحرفی (حٰمٓ، یٰسٓ، طٰہٰ، وغیرہ)، سہ حرفی (الٓمٓ)، چار حرفی (الٓمٓرٰ)، پانچ حرفی (حٰمٓ عٓسٓقٓ)۔

البتہ ان کے معانی کے تعین کو مشکلات القرآن میں شامل کیا گیا ہے، جیسے ''اسلوب القرآن''، ''اقسام القرآن''، ''متشابہات القرآن'' اور ''ناسخ ومنسوخ''۔ یہ پانچ (مذکورہ عنوانات) مشکلات القرآن ہیں۔ (بحوالہ مطالعۂ قرآن۔ محمد حنیف ندوی)

اس قرآن کریم میں یقیناً نصیحت ہے (خاص طور پر) ان کے لئے جو دل والے ہیں۔ دل والے یعنی زنگ وغلاظت سے اور گناہوں کی آلودگیوں سے پاک وصاف۔ جیسے کہ قرآن کریم میں سورۃ انفال کی آیت کریمہ ہے:

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال: ۲۹)

اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو تمہیں فرقانیت عطا کی جائے گی یعنی تمہیں بصیرت وفراست کا نور دیا جائے گا۔

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ یعنی کان لگا کر (خوب توجہ اور دھیان سے) جملہ آداب کی رعایت رکھتے ہیں خاموشی سے جیسا کہ سورۃ اعراف میں ارشادِ ربانی ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف: ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔

ادب وعظمت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔ ذٰلک الکتٰب یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے۔

وَهُـوَ شَهِيْـدٌ ۔ سنتے ہیں اس حالت میں کہ دماغ وذہن کو حاضر اور مستحضر رکھ کر گویا ہمہ تن

گوش ہو کر سنتے ہیں۔

دلوں کو زنگ لگنے کے بارے میں سورۃ مطففین میں كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (آیت ۱۴)

اور حدیث پاک میں اِنَّ هٰذه القلوب تصدا كما يصدأ الحديد مذکور ہے۔

قرآن مجید ایسے لوگوں کے لئے راہنما ہی نہیں بلکہ سراپا ہدایت ہے۔ ھدیً للمتقین ہے۔

گر تومی خواهی مسلماں زیستن

نیسـت ممکن جز بقرآں زیستن

(ترجمہ: اگر تو مسلمان کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو قرآن کے بغیر یہ زندگی ممکن نہیں)

درجهاں پائندہ و تابندہ است

بهرِ انساں رهنمائے زندہ است

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

(ترجمہ: دنیا میں روشن اور تا ابد چھائی ہوئی ہے۔ انسان کے لئے زندہ رہنمائی ہے)

اے مسـلـمـاں تو چراغ افگندہ ای

در بـغـل داری کتـابِ زندہ ای

(علامہ اقبالؔ)

(ترجمہ: اے مسلمان تو کہاں بکھرا پڑا ہے۔ تیری بغل میں تو زندہ کتاب ہے)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

☆☆☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کے فضائل

(جناب حضرت گوہر رحمان نقشبندی فریدی صاحب ایڈووکیٹ)

مشرکین عرب اپنے اختراعی معبودوں کے نام سے اپنا کام شروع کیا کرتے تھے۔ جیسے باسم اللات والعزیٰ۔ اسی طرح پارسیوں اور مجوسیوں کے دساتیر میں ہر نامہ کی ابتداء بھی کچھ اسی قسم کے الفاظ سے ہوتی تھی مثلاً بنام ایزد بخشائندہ، بخشائش شگر، مہربان دادگر، وغیرہ۔ لیکن ایک مؤحد کا ہر کام بسم اللّٰہ سے شروع ہونا چاہئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے جو میرے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوا کسی پر نازل نہیں ہوئی، یہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ہے۔''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے، ہوائیں رک گئیں، سمندر جوش میں آ گیا جانوروں نے کان لگا لئے، آسمان سے شیاطین پر سنگباری کی گئی۔ اللہ رب العزت نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا اس میں برکت ہوگی۔

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بسم اللّٰہ سورۃ النمل کا ایک مستقل جز ہے۔ ابوداؤد شریف میں منقول ایک روایت، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے، کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتوں کا باہمی فاصلہ معلوم نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تسمیہ نازل ہوئی۔ یعنی یہ پتہ نہ چل سکتا تھا کہ کونسی سورۃ کہاں پر ختم ہوئی اور دوسری سورۃ کہاں سے شروع ہوئی؟ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کے قول کے مطابق یہ نہ تو سورۃ فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی دوسری سورۃ کی۔ البتہ قرآن کریم کا ایک جز ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ النمل (پارہ:۱۹) کی آیت اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ

اِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے نزول سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بِسْمِکَ اللّٰھُمَّ پڑھا کرتے تھے یا لکھوایا کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن کریم کی آیت بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھا نازل ہوئی تو بسم اللہ لکھوانا شروع کیا۔ پھر جب آیت قُلِ ادْعُوْ اللّٰہَ اَوِدْعُو الرَّحْمٰن نازل ہوئی تو الرحمٰن کا اضافہ ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰن لکھوانے لگے۔ اس کے بعد جب سورۃ النمل کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم لکھنے اور پڑھنے کا حکم دیا۔

کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتے وقت پہلے بسم اللہ اور بعد میں اعوذ باللہ پڑھ کر تلاوت شروع کرتے ہیں۔ یہ غلط طریقہ ہے۔ قرآن کریم کی ابتدا بسم اللہ سے ہوئی ہے اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ بسم اللہ قرآن کریم کی آیات مبارکہ سے ایک جزء ہے اور قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق وَ اِذا قُرِیءَ القُرآنَ فَا سْتَعِذْ بِاللّٰہ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم (اور جب آپ قرآن کریم کی تلاوت شروع کرو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو) اس لئے بسم اللّٰہ قرآن کریم میں شامل ہے تو پہلے اعوذ باللّٰہ پڑھ کر شیطان سے اللہ جل مجدہٗ کی پناہ حاصل کی جائے اور بعدہٗ بسم اللّٰہ سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی جائے۔ جس طرح استعاذہ (اعوذ باللہ پڑھنا) کی حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے جال میں پھنسنے سے محفوظ ہو جائے اسی طرح بسم اللّٰہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی رحمت میں داخل ہو جائے۔ اس لئے استعاذہ بسم اللّٰہ پر مقدم ہوا کیونکہ دفع مضرت (نقصان سے بچنا) حصول منفعت (نفع حاصل کرنا) پر مقدم ہے۔

صحیح بخاری میں درج ایک روایت کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لفظ کو دراز کر کے پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے تسمیہ پڑھ کر سنائی اور بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھا۔ پھر الرحمان کو لمبا کیا پھر الرحیم کو کھینچ کر پڑھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کے دوران ہر ہر آیت پر رکتے تھے: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۝ الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مٰلک یوم الدین ۝ (فقیر کے شیخ و مرشد حضرت مولانا مفتی محمد فرید صدیقی رحمۂ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی نماز میں قرأت پڑھنے کا یہی طریقہ اور معمول تھا یعنی فاتحہ کے ہر آیت پر توقف فرماتے)

بسم اللّٰہ کے بغیر نماز فاسد ہے۔ امام ثعلبیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مسجد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے نماز شروع کی۔ اس نے ثناء پڑھی اور تعوذ پڑھا اور پھر الحمد للہ رب العٰلمین پڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اس طرح پڑھنا سنا تو فرمایا: اے فلاں! تو نے اپنی نماز کو توڑ دیا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ بسم اللّٰہ الحمد سے ہے؟ جس نے بسم اللّٰہ کو چھوڑ دیا اس نے ایک آیت کو چھوڑ دیا اور جس نے ایک آیت کو چھوڑ دیا اس کی نماز فاسد ہوگئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللّٰہ کی نسبت سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسم میں سے ایک اسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے نام (اللہ) اور اس کے مابین اسی قدر قرب ہے جس قدر آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تین نام اس لئے ذکر کئے گئے تا کہ ہر کام کے شروع میں ان مقدس ناموں کے ساتھ مدد حاصل کی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ جل مجدہٗ کے اور بھی اسماء الحسنٰی ہیں۔ ان اسمائے مبارکہ کی خصوصیت یہ ہے کہ چاہے دنیوی کام ہو یا اخروی، حاجت تین چیزوں پر منحصر ہے:

۱۔ سب سے پہلے اس حاجت کو پورا کرنے کے لئے تمام اسباب کا موجود ہونا۔ اور یہ امر اللہ تعالیٰ کے اس اسم مبارک ''اللہ'' کے ساتھ متعلق ہے کہ تمام صفات کمالیہ اسی کے لئے مختص ہیں۔

۲۔ دوسرا ان تمام اسباب کا موجود رہنا کہ کام کے شروع کرنے کے وقت سے لے کر کام کے

انجام دہی تک موجود رہیں اور یہ صفت رحمانیہ کا ثمرہ ہے۔ کیونکہ بقائے عالم اسی صفت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

۳۔ تیسرا اس کام کا فائدہ مند ہونا اور یہ صفت رحیمیہ کا کام ہے کہ اپنی رحمت سے اپنے بندوں کی کوشش کو رائیگاں جانے نہیں دیتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس کی یہ آرزو ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے انیس (۱۹) فرشتوں سے نجات دے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ ہر حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے ڈھال عطا فرمائیگا (حیرت انگیز بات ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن رحیم کے حروف بھی ۱۹ ہیں)۔ لہٰذا ہر کام اور بات شروع کرنے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہئے کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ جس کام کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ کٹا ہوا یعنی بے برکت ہوتا ہے۔ البتہ امام الخطیب نے الزہری سے روایت کیا ہے کہ سنت قائم ہو چکی ہے کہ شعروں میں بسم اللہ نہ لکھی جائے۔ ابن ابی شیبہ، ابوبکر بن ابی داؤد اور الخطیب نے حضرت شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ لوگ ناپسند کرتے تھے کہ اشعار سے پہلے بسم اللہ لکھیں (کیونکہ اشعار میں کبھی الم غلم، فالتو اور بیہودہ باتیں بھی ہوتی ہیں)۔

بعض لوگ بسم اللہ لکھتے وقت ''ب'' کو کھینچ کر میم کے ساتھ ملا لیتے ہیں اور اس طرح ''ب'' اور ''میم'' کے درمیان ''سین'' حذف ہو جاتا ہے۔ الخطیب نے الجامع میں اور دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ''ب'' کو ''میم'' کی طرف لمبا کرنے کو ناپسند کرتے تھے، حتیٰ کہ سین لکھی جائے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں اور ابن عسا کر نے تاریخ دمشق میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو بسم اللہ لکھے تو سین کو واضح کر۔

دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ معلم

جب بچے کو کہتا ہے پڑھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو معلم، بچے اور اس کے والدین کے لئے آگ سے برأت کا پروانہ جاری کیا جاتا ہے۔

دیلمی ہی کی روایت، جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بسم اللہ شریف پڑھی اس کے لئے ہر حرف کے بدلے چار ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور چار ہزار گناہ مٹا دئے جائیں گے اور اس کے چار ہزار درجات بلند کئے جائیں گے۔

امام ابوالشیخ نے حضرت صفوان بن سلیمؒ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جن انسانوں کے کپڑے اور سامان استعمال کرتے ہیں۔ پس تم میں سے جو کوئی کپڑا اٹھائے یا رکھے تو اس پر بسم اللہ کہنا چاہئے کیونکہ اللہ کا اسم مہر ہے۔ اس طرح جنات کوئی کپڑا اٹھا کر نہیں لے جاسکیں گے۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھ لینی چاہئے۔ اسی طرح وضو کی ابتدا میں بھی بسم اللہ کہنا مستحب عمل ہے۔ میاں بیوی کے ازدواجی خفیہ تعلقات کے وقت بھی بسم اللہ کہنا مستحب عمل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب تم میں سے کوئی اپنی زوجہ کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (اللہ کے نام سے۔ یا اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو کچھ (اولاد) تو ہمیں عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا) اگر اس مباشرت سے حمل ٹھہر گیا اور بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کو شیطان کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس میں شیطان کا حصہ ہوتا ہے۔ ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس طعام میں کسی صحابی نے بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دیا۔ آخر میں جب یاد آیا تو بسم اللہ من اولہٖ و آخرہٖ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھ کر ہنسی آگئی اور فرمایا کہ شیطان نے جو کچھ کھایا تھا ان

کے بسم اللہ پڑھتے ہی کھڑے ہوکر سب قے کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ جب تو کسی مشکل میں پڑے تو بِسمِ اللہ الرحمٰنِ الرَحِیم، لَا حولَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم پڑھ، اللہ تعالیٰ اس ذکر کی برکت سے بہت سے مصائب سے جو چاہے گا ٹال دے گا۔

امام عبدالرزاقؒ نے المصنف میں اور امام ابونعیم نے الحلیۃ میں حضرت عطاؒ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب رات کو گدھے ہینگنا شروع کر دیں تو کہو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر پڑی ہوئی ایک کتاب پر سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کے پاس بیٹھے ایک نوجوان کو فرمایا: اس کتاب میں کیا ہے؟ اس نے کہا: بسم اللہ۔ تو فرمایا: جس نے ایسا کیا اس پر لعنت کی گئی۔ بسم اللہ کو اپنے مقام پر رکھا کرو (یعنی زمین پر نہ گرایا کرو)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے اس کاغذ کو اٹھا لیا جس پر بسم اللہ لکھی ہوئی تھی تا کہ اس کی بے ادبی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسے صدیقین میں لکھا جائیگا اور اس کے والدین کے عذاب میں تخفیف (کمی) کر دی جائیگی اگر چہ وہ کافر ہوں۔ (اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے کفر کے باوجود ان سے عذاب ہٹا لیا جائیگا بلکہ بسم اللہ کے اس ادب اور احترام کے صلہ میں ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائیگی۔ جیسا کہ ابو طالب پر مشرکین مکہ کے مظالم اور مخالفت کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت اور طرفداری کیوجہ سے عذاب میں تخفیف کی روایت منقول ہے)

حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے۔ اہل مکہ مسیلمہ کذاب کو الرحمٰن کہتے تھے۔ لوگ یہ سننے لگے تو کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم لوگوں کو یمامہ کے خدا کی طرف بلاتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ مخفی پڑھنے کا حکم فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال تک کبھی جہراً نہ پڑھی۔

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ضحاکؒ سے روایت کیا ہے کہ الرحمٰن تمام مخلوق کے لئے ہے اور الرحیم مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت امام بیہقیؒ نے السماء والصفات میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ الرحمٰن سے مراد الرفیق (دوست) ہے اور الرحیم سے مراد مخلوق پر رزق کے ذریعے مہربانی فرمانے والا۔ یہ دونوں اسماء نرمی اور شفقت پر دلالت کرتے ہیں۔

ابن جریرؒ نے حضرت امام بصریؒ سے روایت کیا ہے کہ الرحمٰن اسم ممنوع ہے اور حضرت ابن ابی حاتمؒ نے حضرت امام بصریؒ ہی سے روایت کیا ہے کہ الرحیم ایسا اسم ہے جو لوگ اپنے لئے نہیں رکھ سکتے۔

امام البزارؒ، حاکم اور بیہقی نے (ضعیف سند کے ساتھ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں: میرے والد نے مجھے فرمایا، کیا میں تجھے وہ دعا نہ سکھاؤں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے؟ فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا اپنے حواریوں کو سکھاتے تھے۔ اگر تجھ پر احد پہاڑ جتنا قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے اتار دے گا۔ میں نے کہا ضرور بتائیے۔ فرمایا: یہ دعا پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ فَارِجَ الْھَمِّ وَ کَاشِفَ الْغَمِّ اور البزار کے الفاظ یہ ہیں:

وَ کَاشِفَ الْکُرُبِ وَ مُجِیْبَ الْمُضْطَرِّیْنَ وَرَحْمَانَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ
وَرَحِیْمَھُمَا اَنْتَ تَرْحَمُنِیْ فَارْحَمْنِیْ رَحْمَۃً تُغْنِیْنِیْ بِھَا عَمَّنْ سِوَاکَ.

حضرت امام ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عبد الرحمان ابن سابط سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا فرماتے تھے اور یہ دعا دوسروں کو سکھاتے بھی تھے:

اَللّٰھُمَّ فَارِجَ الْھَمِّ وَ کَاشِفَ الْکُرُبِ وَ مُجِیْبَ الْمُضْطَرِّیْنَ وَرَحْمَانَ الدُّنْیَا
وَالْآخِرَۃِ وَ رَحِیْمَھُمَا اَنْتَ تَرْحَمُنِیْ فَارْحَمْنِیْ رَحْمَۃً تُغْنِیْنِیْ بِھَا عَمَّنْ سِوَاکَ.

حضرت امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابل دشمن میدان جنگ میں پیر جمائے کھڑے ہیں اور زہر ہلاہل کی ایک شیشی پیش کر کے حضرت خالدؓ کے دین کی صداقت کا امتحان لینا چاہا تو آپ نے پوری شیشی بسم اللہ پڑھ کر پی لی لیکن اس کی برکت سے آپؓ پر زہر کا معمولی اثر بھی نہیں ہوا۔ اب بھی ایسا واقع ہونا ممکن ہے لیکن اگر مطلوبہ شرائط واسباب مہیا ہوں اور موانع اور رکاوٹیں دور ہوں۔ اس کے لئے خلوص نیت، صدق اعتقاد، تعلق مع اللہ، یقین محکم، ایمان کامل جیسی شرائطِ تاثیر موجود ہونی چاہئیں اور ریا کاری، توہمات اور بداعتقادی وغیرہ جیسے موانع معدوم ہونے چاہئیں۔

عامۃ المسلمین کے نفع کی خاطر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے منقول ایک عمل قضائے حاجت کے لئے نقل کر رہا ہوں۔ آپؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بارہ ہزار بار اس طرح پڑھے کہ جب ایک ہزار بار ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر اپنی حاجت کے لئے دعا کرے پھر پڑھنا شروع کرے اور ایک ہزار پڑھنے کے بعد پھر دو رکعت نفل نماز ادا کرے۔ الغرض اس طرح بارہ ہزار تعداد پوری کرے تو ان شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی۔

﴿و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وّ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین﴾

ماہنامہ غزالی کے چودہ سالہ ذخیرے سے منتخب علمی، اصلاحی، تعارفی اور تجزیاتی مضامین کا مجموعہ

نقشِ درویش

ازقلم

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم

چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے۔ ضخامت: ۴۰۰ صفحات۔ قیمت: ۲۰۰ روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

بذریعہ وی پی منگوانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں: 0313 979 2537

(قسط۔۶)

شیخ الہندؒ کا احسانی و عرفانی مقام

(مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب، کراچی)

میں مولانا نانوتوی کے گھر کی خادمہ کا غلام ہوں: شیخ الہندؒ:

اسی طرح اپنے برادر اصغر مولانا محمد طاہر کے متعلق قاری طیب صاحب ہی راوی ہیں کہ:

''ایک مرتبہ مغرب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ نماز کے لیے حضرت شیخ الہند کی مجلس سے سب لوگ اٹھ کر چلے۔ میرے برادر خورد مولوی طاہر مرحوم ٹھہر گئے۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ اندر زنانہ مکان سے گرم پانی لائے اور مولوی طاہر مرحوم سے فرمایا کہ وضو کرلو۔ وہ ذرا ہچکچائے کہ حضرت میرے لیے لوٹا لائے، اس پر فرمایا کہ تم جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ میں پیرو کا غلام ہوں۔ (پیرو حضرت نانوتویؒ کے گھر میں خادمہ تھیں)۔

(حضرت مولانا محمد زکریا سہارن پوریؒ، آپ بیتی، صفحہ ۹۵۴)

شیخ الہندؒ کا بہ صد گریہ مولانا نانوتویؒ کی اہلیہ کے جوتے سر پر رکھنا:

پے بہ پے خدمت، عظمت و تعلق اور اس خادمانہ پاس و لحاظ کے باوصف شیخ الہندؒ ہمیشہ اس بات پر نادم اور شرمندہ رہے کہ انھوں نے مولانا نانوتویؒ کے احسانات کا حق ادا نہیں فرمایا۔ چناں چہ سفر حجاز کے لیے روانہ ہوتے وقت مولانا نانوتوی کے گھر حاضر ہوئے، مولانا نانوتوی کی اہلیہ کی خدمت میں عرض کیا:

''اماں جی! آپ کی کوئی خدمت نہیں کی، بہت شرمندہ ہوں، اب سفر میں جا رہا ہوں، ذرا اپنا جوتہ دے دیجیے، انھوں نے پس پردہ سے جوتا آگے بڑھا دیا، حضرت شیخ الہندؒ نے اس کو لے کر اپنے سر پر رکھا اور روتے رہے کہ میری کوتاہیوں کو معاف فرما دیجیے''۔

(حضرت مولانا محمد زکریا سہارن پوریؒ، آپ بیتی، صفحہ ۹۵۴)

مولانا نانوتویؒ و مولانا گنگوہیؒ کے صاحبزادگان سے اصرار: کہہ دو! یہ ناکارہ ہمارا خادم ہی رہا:

چلیے یہ تو حضرت نانوتوی کی اہلیہ تھیں، شیخ الہند کے لیے ماں کے مثل تھیں، ان کے رو بہ رو یہ عاجزی اور ندامت قابل فہم بھی ہے لیکن مولانا نانوتویؒ کے صاحبزادے حافظ محمد احمد صاحبؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے صاحبزادے مولانا حکیم مسعود کے بالمقابل بھی شیخ الہندؒ کی عاجزی اور ندامت کا یہی عالم تھا۔ جب کہ حافظ صاحب شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے اور حکیم صاحب مرید ——— مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے منقول ہے کہ:

''حضرت شیخ الہند کے مالٹا سے آنے کے بعد حضرت کی مردانہ نشست کے سامنے کے کمرے میں بند کواڑ کھول کر میں اچانک اندر گھسا تو یہ منظر دیکھا کہ دونوں مخدوم زادے ابن قاسم حضرت حافظ اور ابن رشید حضرت حکیم مسعود احمد صاحب گنگوہی تخت پر ہیں اور حضرت شیخ الہند تخت سے نیچے ان دونوں کے سامنے مؤدب بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں اور ہاتھ جوڑے ہوئے انتہائی نیازمندی سے کہہ رہے ہیں کہ میں نے آپ دونوں کا کوئی حق واجب ادا نہیں کیا، اب میرے مرنے کا وقت ہے اور دونوں بزرگوں (حضرت قاسم اور حضرت گنگوہی) کو منہ دکھانا ہے تو میں انھیں ان کے صاحبزادوں کے بارے میں کیا جواب دوں گا، تم دونوں کوئی کلمہ تسلی کا میرے لیے کہہ دو کہ میں وہی کلمہ ان بزرگوں کے سامنے کہہ دوں اور قیامت کے دن یہ بزرگ خود تم سے کچھ پوچھیں تو تم بھی کلمۂ خیر کہنا کہ یہ ناکارہ خادم ہمارا خادم ہی رہا اور ہم سے الگ نہیں ہوا''۔

(قاری محمد طیبؒ، ''پچاس مثالی شخصیات''، مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، جلد ۷، صفحہ ۴۴۰)

یہی وہ اوصاف تھے جس نے شیخ الہندؒ کو جاودانی بخشی تھی۔ اپنے شاگرد اور مرید کے رو بہ رو ہاتھ جوڑ کر وہی شخص بیٹھ سکتا ہے جو مقام احسانی کو پا چکا ہو۔ یہ بے نفسی اور فنائیت عظیم مجاہدات

اور سینکڑوں کرامات سے بلند اور بیش قیمت ہے۔

شیخ الہندؒ: جانور سے انس:

عشق ومحبت کے خمیر سے پروان چڑھنے والے ہی معرفت اور احسان کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کے دل میں انسان تو انسان جانور تک کے لیے جذبہ ترحم بیدار رہتا ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ الہندؒ کی عادت شریفہ تھی کہ ہر سال قربانی کے لیے بچھڑا خریدا کرتے تھے۔ سال بھر تک اس کی خوب خاطر کرتے اور اپنی اولاد کی طرح رکھتے تھے۔ ایک دفعہ جو بچھڑا خریدا وہ آپ سے بہت زیادہ مانوس ہوگیا۔ حضرت جب دار الحدیث درس دینے کے لیے تشریف لے جاتے تو وہ بچھڑا بھی ہمراہ جاتا اور دار الحدیث کے باہر بیٹھ جاتا۔ جب آپ سبق سے واپس ہوتے تو بچھڑا بھی آپ کے پیچھے پیچھے واپس ہوتا۔ لیکن جب قربانی کا دن آیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے تعمیل حکم خداوندی میں خود اپنے دست مبارک سے اس کو ذبح کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت کی یہ حالت تھی کہ ہاتھ سے چھری چلا رہے تھے اور آنکھوں سے اشک ریزاں تھے''۔ (عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، صفحات ۱۶۸-۱۶۹)

اور یہ صرف ایک دفعہ ہی کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ مولانا محمود حسن گنگوہیؒ کی تصریح کے مطابق یہ شیخ الہندؒ کا معمول تھا کہ وہ جانور خود پالتے، اسے خود چارہ کھلاتے۔ ایام قربانی جب قریب ہوجاتے تو گھاس میں کمی کردیتے اور بالٹی بھر کر دودھ جلیبی کھلاتے، پھر قربانی سے پہلے اس کے جگہ جگہ مہندی لگاتے اور پھر یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) کو قربان کرکے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ پر عمل کرتے''۔ (محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہ الامت، جلد۱، صفحات ۱۰۵-۱۰۶، قسط۴)

وعظ اللہ کے لیے نہ کہ اظہار علم کی غرض سے: شیخ الہندؒ:

مولانا اشرف علی تھانویؒ جس زمانے میں جامع العلوم کانپور میں مدرس تھے، وہاں جلسہ

دستار بندی میں شرکت کی درخواست کے لیے اپنے اساتذہ حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن وغیرہ کو دیو بند خط لکھا۔ شیخ الہندؒ کی سادگی کا حال یہ تھا کہ آپ کے پاس صرف ایک کرتا، ایک پاجامہ، ایک ٹوپی اور ایک لنگی تھی۔ آپ کے کپڑے کھدر کے ہوتے، ہاتھ سے دھوئے جاتے اور انھیں استعمال کیا جاتا۔ چوں کہ کان پور میں دیگر مکتب خیال کے علما اور اہل علم سے ملاقات و نشست کا احتمال تھا، اس لیے مولانا تھانویؒ نے شیخ الہندؒ کو خاص طور پر لکھا:

''حضرت میں ایک بات عرض کرتا ہوں، ہے تو حماقت جو میں عرض کرتا ہوں، مگر بڑے چھوٹوں کی بے وقوفی کو بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ حضرت! آپ ذرا دھلے ہوئے کپڑے پہن کر تشریف لاویں...... حضرت شیخ الہندؒ نے جواب دیا تمھارے خط کی رعایت کی جائے گی۔''

حضرت تھانویؒ نے سب لوگوں کو خوش خبری سنائی کہ میرے استاذ شیخ الہندؒ دیو بند سے تشریف لانے والے ہیں، جو اتنے اتنے کمالات کے جامع ہیں۔ جب ان حضرات کی آمد کی اطلاع پہنچی، تو حضرت تھانویؒ ان کو لینے کے لیے اسٹیشن گئے، شیخ الہندؒ نے اپنے ہاتھ کے دھلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے، ایک لنگی کندھے پر تھی ـــــ اور جو کان پور کے علما تھے وہ بڑے بڑے جبے پہنے ہوئے تھے، یہاں ان کو کوئی صورت سے بھی نہیں پہنچانتا تھا کہ یہ کوئی چار حرف بھی جانتے ہوں گے ـــــ مولانا تھانویؒ نے وعظ و تقریر کی درخواست کی، شیخ الہندؒ نے فرمایا:

''میں اور وعظ! کیا تمھاری بھد نہیں ہوگی کہ ایسے کے شاگرد ہیں، جن کو بولنا بھی نہیں آتا، تمھارا وعظ تو، ماشاء اللہ، وعظ ہوتا ہے''۔

حضرت تھانویؒ نے عرض کیا نہیں! نہیں! آپ وعظ فرمائیں، فرمایا:

''اچھی بات ہے، وعظ کہوں گا تاکہ سامعین کو معلوم ہو جائے کہ شاگرد استاذ سے بڑھا ہوا ہے''۔ (محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہ الامت، جلد ا، صفحات ۴۲ ۔ ۴۳، قسط ۵)

(جاری ہے)

مدینہ منورہ کی "وادئ جن" پر تحقیق

(پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور)

زمین پر ڈھلوان (Slope) عام طور پر اوپر سے نیچے کی طرف ہوتی ہے۔ جب ڈھلوان کے اوپر والے حصے میں کسی چیز کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے تو زمین کی کشش ثقل کی وجہ سے وہ نیچے کی طرف لڑھک جاتی ہے۔ لیکن زمین پر کچھ جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں ڈھلوان نیچے سے اوپر کی طرف ہے۔ جب کسی چیز کو نیچے والے حصے میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے تو وہ بغیر کسی بیرونی قوت کے اوپر چلی جاتی ہے۔ ایسی ڈھلوان کو Reverse Slope کہتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق کسی بھی مقام پر کشش ثقل کا انحصار اس مقام کے زمین کے مرکز (Center) تک کے فاصلے اور زمین کے اندر موجود معدنیات (Minerals) اور عناصر (Elements) کی اقسام اور ارتکاز (Concentration) پر ہوتا ہے۔ Reverse Slope اور عام ڈھلوان کے درمیان موجود فرق (difference) کے بارے میں ماہرین کی مختلف آراء ہیں جن میں سے ایک رائے یہ ہے کہ چونکہ Reverse Slope اور عام ڈھلوان زمین کے مرکز (Center) سے فاصلے کے لحاظ سے یکساں خصوصیات رکھتی ہیں لہٰذا ان کے درمیان فرق معدنیات (Minerals) اور عناصر (Elements) کی اقسام اور ارتکاز (Concentration) میں فرق کی وجہ سے ہے۔ Reverse Slope کی صورت میں معدنیات (Minerals) اور عناصر کے ارتکاز میں تھوڑے سے فاصلے میں بہت زیادہ تبدیلی آ جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ مظہر رونما ہو جاتا ہے۔

Reverse Slope دنیا میں مختلف جگہوں میں پایا جاتا ہے۔ چین میں گانسو (Gansu) کے مقام پر ۶۱ میٹر (۲۰۰ فٹ) Reverse Slope موجود ہے جس کا قاعدہ (Horizontal) کے ساتھ ۱۵ درجے کا زاویہ ہے۔ سعودی عرب کے شہر مدینہ منورہ میں واقع وادئ جن میں (باقی صفحہ نمبر ۱۱ پر)

ملائشیا کا سفر

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ہمارے اصلاحی سلسلے کا تھائی لینڈ اور ملائشیا میں پی ایچ ڈی کے طلباء کے ذریعے تعارف ہوا۔ تھائی لینڈ والوں نے دعوت دی لیکن وقت نہ مل سکا کہ حاضری ہو سکے۔ ملائشیا کے ساتھی بار بار تقاضا کرتے رہے۔ ان کی فکر کا نتیجہ کہ ۳؍تا ۱۳؍اپریل سفر مقرر ہو گیا۔ صحت اور عمر کی وجہ سے اب اکیلا سفر نہیں کرتا۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر طارق صاحب جو بندہ کے خلیفہ بھی ہیں ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ پشاور سے ہی ساڑھے چار بجے جہاز روانہ ہوا۔ مدثر صاحب پی ایچ ڈی سکالر، جو کہ بندہ کے مرید ہیں، کو روانگی کا میسج کیا۔ دو بجے جہاز نے پہنچنا تھا۔

۴؍اپریل کو ملائشیا پہنچے۔ ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ قیام ایسے گھر میں ہو کہ عورتیں نہ ہوں تاکہ سب کی آمد ورفت آسان ہو۔ سب سے قریبی تعلق مدثر صاحب کے ساتھ تھا لہٰذا ان کے ہاں قیام طے ہو گیا۔ ایک دن آرام کرنے سے سفر کی تھکاوٹ دور ہوئی اور کام شروع کیا۔

ملائشیا خطِ استوا کا ملک ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمارے ہاں درجہ حرارت ۵۰ سینٹی گریڈ تک جاتا ہے تو خطِ استوا پر ۵۵ ڈگری تو ضرور ہو گا۔ حیرت انگیز بات کہ خطِ استوا کا درجہ حرارت ۲۵ اور ۳۵ ڈگری سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے۔ صبح دھوپ، دوپہر بادل اور عصر کو بارش۔ اس موسم اور بارش کا اثر ہے کہ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ، درخت ہی درخت۔ گرد اور کیچڑ کا نام ونشان نہیں۔ بمشکل کوئی جگہ سبز گھاس سے خالی نظر آتی ہے۔ لوگ بہت نرم مزاج، شریف اور اسلامی زندگی کے پابند ہیں۔ ایک تعداد چینی عیسائیوں کی اور بدھ مذہب والوں کی ہے۔ جن میں بے پردگی ہے لیکن مقامی مسلمان پورا پابند ہے۔ مختلف غیر اسلامی کام جو چینی، عیسائی اور بدھ کرتے ہیں ان حرکتوں سے مسلمانوں کو حکومت سختی سے باز رکھتی ہے۔ مسلمانوں کی شرافت، نرمی اور اسلامی زندگی کی پابندی

کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے روزی کے عجیب وسائل دئے ہوئے ہیں۔ پام آئل، اناس، پپیتا، کیلا بے اندازہ پیدا ہوتا ہے۔ قدرتی بارشوں نے آب پاشی کی تکلیف سے بے نیاز کیا ہوا ہے۔ چاروں فصلیں درختوں کی شکل میں ہیں۔ یہ درخت کاشت ہونے کے بعد سالہا سال فصل دیتے ہیں۔

رضائی، کوٹ، ایئر کنڈیشن کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ صرف پنکھا ہی کافی ہوتا ہے۔ بندہ نے انگلینڈ اور جنوبی افریقہ کے سفر کئے ہیں۔ واقعی بہت خوبصورت اور صاف ستھرے ملک ہیں لیکن ملائشیا کو دیکھ کر دل خوش ہوا کہ ایک اسلامی ملک بھی ان سے زیادہ صاف ستھرا ہے اور ان کے مقابلے میں کم وسائل کے باوجود خوبصورتی میں ان کے قریب ہے۔ پام آئل کے ساتھ بڑی کھجور سے تین چار گنا بڑا پھل لگتا ہے جو کچی کھجور کی طرح زرد ہوتا ہے۔ اس کے بڑے بڑے گچھے درختوں سے کاٹ کر اتار دیتے ہیں۔ ان سے تیل نکالا جاتا ہے۔ کیلا ہاتھ کی انگلی کے ناپ سے لے کر ڈیڑھ فٹ تک کی لمبائی کا ہوتا ہے۔ پپیتا پاکستان کے پپیتے سے دوگنا خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اناس بھی۔

دیہات کی تعمیرات اور صفائی ستھرائی کا معیار ہماری پشاور یونیورسٹی اور حیات آباد کے برابر کا ہے۔ سڑکیں صاف ستھری، کسی جگہ ٹوٹ پھوٹ نہیں۔ ایسی ڈھلوان (Slope) بنائی ہوئی ہیں کہ بارش کا پانی بالکل نہیں ٹھہرتا۔ اس کے مقابلے میں ہمارے صوبے کے دارالحکومت پشاور شہر اور پشاور صدر میں ذرا تیز بارش ہو جائے تو سڑکیں تالاب بن جاتی ہیں۔ جہاں رشوت خور انجینئر اور کمیشن والے ٹھیکیدار کام کرتے ہوں ان ملکوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ سڑکوں کا ایسا جال بچھا ہوا ہے اور ایسی مناسب ترتیب سے بنی ہوئی ہیں کہ ٹریفک بالکل نہیں رکتی۔ کوالالمپور جیسے بڑے شہروں میں بھی چوکوں پر گاڑیوں کی رفتار کم تو ہو جاتی ہے لیکن رکتی نہیں۔ پورے دس دنوں میں ٹریفک پولیس والے صرف دو جگہ نظر آئے۔ وہ بھی اس لئے کہ سڑک کی مرمت ہو رہی تھی اور وہ لوگ رہنمائی کے لئے کھڑے تھے۔ بڑے اداروں کے دروازوں پر غیر مسلح سیکورٹی اہلکار ہوتے ہیں۔ عام طور پر

پولیس ناکے اور تلاشی بالکل کسی جگہ پر نہیں تھی۔ ہوائی اڈے پر داخلے کے وقت کاؤنٹر اتنے زیادہ تھے کہ لائنیں لگا کر انتظار کرنے کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

ملک جب انڈونیشیا سے علیحدہ ہوا تو تنکو عبدالرحمان وزیر اعظم بنا جو کہ مخلص، محنتی اور دیانتدار آدمی تھا۔ اس کے بعد ان کو مہاتیر محمد جیسا عظیم رہنما مل گیا۔ ان کا نظام پارلیمانی جمہوری ہے۔ انتہائی پُر امن الیکشن سے انتقالِ اقتدار ہو کر حکومت بدل جاتی ہے۔ ہر ریاست میں پرانا شاہی خاندان ہے۔ ملک میں گورنر اور صدر نہیں ہوتا۔ یہ شاہی خاندان ہی ان کی جگہ کام کرتا ہے۔

ہم ریاست جوہر بہارو میں تھے۔ شاہی خاندان کا محل دیکھنے کے لئے گئے۔ شاہی محل کی یہ علامت ہوتی ہے کہ اس سے پہلے ایک بہت بڑی محراب بنی ہوتی ہے۔ اس محراب کی سب سے اونچی جگہ (Point) پر تاج بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے نیچے سڑک گزرتی ہے۔ اس سے داخل ہو کر محل پہنچے۔ صرف دو غیر مسلح چوکیدار (Security Guards) کھڑے تھے۔ کسی نے کوئی روک ٹوک نہیں کی۔ ہم قریب تک گئے۔ ڈاکٹر طارق صاحب نے محل کی تصاویر اتاریں اور ہماری واپسی ہوئی۔ شاہی خاندان کے سربراہ کا نام ساری مساجد میں جمعہ کے خطبے میں لیا جاتا ہے۔ معلومات کرنے پر پتہ چلا کہ یہ شاہی خاندان جمہوریت سے پہلے کا ہے۔ خاندان کے افراد بہت مالدار اور آسودہ ہوتے ہیں۔ اپنے مال سے اپنی رعایا پر خوب خرچ کرتے ہیں۔ ریاست کی دینی اقدار کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی رعایا میں بہت مقبول ہیں۔ پارلیمنٹ کے فیصلوں پر گورنر اور صدر کی جگہ یہی خاندان دستخط کرتا ہے۔ کسی نے کبھی پارلیمنٹ اور شاہی خاندان کے اختلافات کا تذکرہ ہمارے سامنے نہیں کیا۔ مساجد بہت بہترین اور خوبصورت بنائی گئی ہیں۔ علاقے کے لئے ایک بڑی جامع مسجد ہوتی ہے جس کا ماہوار بجٹ تین لاکھ رنگٹ تک ہوتا ہے۔ رنگٹ ان کا سکہ ہے جو تقریباً ہمارے پچیس روپے کے برابر ہے۔ جامع مسجد کے سات امام ہوتے ہیں، مؤذن، خادم، چوکیدار اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ تعمیر اور انتظام کے سارے اخراجات حکومت ادا کرتی ہے۔

خطیب کے لئے خطبہ سرکاری لکھا ہوا آتا ہے لیکن یہ خطبہ عقائد، اعمال کے لحاظ سے بالکل صحیح اور معیاری ہوتا ہے اور مفید اصلاحی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ سارا ملک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہے۔ فرقہ واریت بالکل نہیں ہے۔ سات دنوں میں چھے بیان ہوئے۔ دو بیان بھائی گان میں پشتو میں ہوئے۔ بھائی گان بونیر کے پٹھانوں کو کہتے ہیں جن کی کافی تعداد مختلف قسم کے کام کرنے کے لئے وہاں گئی ہوئی ہے۔ ملائشیا کی ثقافت (Culture) کچھ ایسی ہے کہ مثلاً کوئی چیز بیچنے والا آدمی اگر کسی دیہات میں جائے تو اس کو عورتیں گھر کے اندر ہی بلا لیتی ہیں اور آمنے سامنے بیٹھ کر سودا کرتی ہیں لیکن ان کی عورتوں میں حیاء اور پاکدامنی کی فضا ہے اس لئے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آتا۔ اس میں ہمارے بونیر والے بھائی گان کا بھی کمال ہے کہ یہاں پشاور میں ان کے خلاف جتنے لطیفے بھی بولے جائیں ملائشیا میں انھوں نے محنت، دیانتداری اور حیاء سے کام کیا ہے جس کے ذریعے پاکستان کے لئے بھی شہرت کمائی ہے اور خود ان کے لئے بھی اچھی فضا بنی ہے۔ چنانچہ ایک الیکشن کے بعد جب ان کے ایک صوبہ سنگاپور میں مسلمانوں کی اکثریت نہ رہی تو یہ صوبہ ان سے علیحدہ ہو گیا۔ اس سے سبق لیتے ہوئے مہاتیر نے بونیر والوں کو ان کے ایک مَلک کے ذریعے ایک دوسرے صوبے میں کافی تعداد میں لا کر شہریت دے کر بسایا جس کے نتیجے میں اس صوبے کی مسلم اکثریت بحال ہوئی اور علیحدگی کا خطرہ ٹل گیا۔

ہمارا قیام جوہر بہارو صوبے کے مرکزی مقام جوہر کی یونیورسٹی ٹیکنالوجی ملائشیا (UTM) میں رہا۔ رقبے کے لحاظ سے یہ ہماری چار یونیورسٹیوں (پشاور، ایگریکلچر، انجینئرنگ، اسلامیہ کالج) سے چار گنا بڑی تھی۔ یونیورسٹی کا اپنا ہیلی کاپٹر اور سیسنا جہاز تھا۔ ایک بہت بڑا خوبصورت تالاب (Swimming Pool) اور ایک خوبصورت جھیل تھی۔ گھڑ سواری کے لئے یونیورسٹی کا اپنا کلب تھا جس میں مختلف قسم کے گھوڑے تھے۔ یونیورسٹی کا اپنا ہرنوں کا پارک تھا۔ گریجویٹ لیول کے طلبا کو گھڑ سواری، تیراکی اور اس طرح کے دیگر مشاغل میں حصہ لینا ضروری تھا۔ بڑے بڑے اژدھے نکل

آتے ہیں۔ چنانچہ ایک اژدھا نکلا اور ہرنوں کے پاس سے ایک چھوٹا ہرنی کا بچہ ہڑپ کر گیا۔

یونیورسٹی کے اندر تین بیان ہوئے۔ ایک یونیورسٹی کی جامع مسجد میں اردو میں ہوا۔ ایک طلبا کے ہاسٹل میں ہوا جو ملائشیا والوں کی وجہ سے انگریزی میں ہوا۔ پی ایچ ڈی کے طلبا کا ایک رہائشی علاقہ ہے جس میں شادی شدہ حضرات اپنے خاندان سمیت رہتے ہیں۔ اسی احاطہ میں طالبات کے ہاسٹل بھی ہیں۔ طالبات کے ہاسٹل کا کوئی گیٹ نہیں ہے اور کوئی سیکورٹی یا چوکیدار وغیرہ نہیں ہے۔ دس دنوں کے قیام میں کسی مرد طالب علم کو اس طرف پھرتے پھراتے، آتے جاتے نہیں دیکھا۔ پوری یونیورسٹی میں کسی جگہ لڑکے لڑکیوں کی اکٹھی ٹولیاں اور ہنسی مذاق، یا اس قسم کے لباس جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ لباس کی نمائش (DressShow) کر رہے ہیں، نظر نہیں آئے۔ اس کی وجہ یہ نظر آئی کہ پڑھائی اور کلاسوں کا نظام باقاعدہ اور مستحکم (Strict) ہے۔ اسی طرح امتحان کا نظام نقل، سفارش اور ہر قسم کی مداخلت سے پاک ہے۔ طلبا کی رہائشی کالونی میں پاکستانی، سوڈانی، یمنی اور ملائشیا کے طلبا رہائش پذیر تھے۔ عورتیں بہت ہی کم باہر نکلتی تھیں اور جو ضرورت کے تحت باہر نکلتی بھی تھیں تو ان کا پورا پردہ ہوتا تھا۔ پاکستانی طلبا نے بتایا کہ شروع شروع میں اس یونیورسٹی میں آنے والے پی ایچ ڈی طلبا میں سب سے زیادہ تعداد ایرانیوں کی تھی۔ انھوں نے اپنی مذہبی اور نظریاتی تبلیغ شروع کر دی اور کچھ عرصے کے بعد امام بارہ بنانے کا مطالبہ کر دیا۔ اس ملک میں اہل تشیع بالکل نہیں ہیں لہٰذا انتظامیہ نے جواب دیا کہ اگر آپ کا ملک اسلامی جمہوریہ ایران ہے اور آپ مسلمان ہیں تو ہماری مسجدوں میں آئیں۔ مسجد کے علاوہ کسی دوسری دینی عبادت گاہ کا یہاں تصور نہیں ہے۔ اس کے بعد ساری مسجدوں کے خطیبوں کو مسلسل چار جمعوں کے خطبے شیعہ عقائد کو بیان کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ اس کے ردعمل میں ایک اہم اور صالح عالم شہید کر دیے گئے۔ اسی اثنا میں طلبا کے ہاسٹل کی مسجد جس میں شیعہ طلبا بھی رہائش پذیر تھے کے بجلی کے کنکشن کاٹ دیے گئے۔ ان باتوں کے ردعمل میں حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ نئے شیعہ طلبا کو پی ایچ ڈی کے لئے بالکل نہیں لیا جائے گا۔ بتا

رہے تھے کہ جو ایرانی طلبا پہلے آگئے تھے ان میں سے تین چار کے سوا باقی فارغ ہو کر چلے گئے ہیں۔
پی ایچ ڈی کے طلبا میں سے نواب شاہ سندھ کے سہیل کھوکھر صاحب، کراچی کے کاشف بن ظہیر صاحب، صوابی کے غنی الرحمان صاحب، محمد یاسر صاحب یوسفزئی اور زاہد عباس صاحب پنجاب مختلف قسم کی خدمتوں میں پیش پیش رہے۔ کچھ سیر کے مقامات دیکھنے کا ساتھیوں کا تقاضہ تھا۔ کوالالمپور میں گھما کر وہاں کا فِش اِکویریَم دکھایا جس میں مختلف قسم کی دنیا کی نادر مچھلیاں تھیں۔ واقعی دیکھنے کہ جگہ تھی۔ سنگاپور اور ملائشیا کے درمیان ایک دریا یا سمندر کے پانی کا ٹکڑا سرحد کا کام کر رہا ہے جس پر ایک بہت لمبا پُل ہے۔ اس جگہ ملائشین حکومت نے کئی منزلہ بہت خوبصورت چھوٹے مکان (Appartments) بنائے ہیں۔ ایک گائیڈ عورت نے ہمیں دکھائے اور خریدنے کی ترغیب دی۔ شاید بندہ کی قراقلی ٹوپی کو دیکھ کر ان کا خیال ہوا ہو کہ کوئی پاکستانی سیاستدان ہے جو قوم کے لوٹ مار کے پیسوں سے خرید لے گا۔ سنگاپور میں مہنگائی بہت ہے اور ٹیکس زیادہ ہے اس لئے وہاں کے شہری عام سودے کے لئے بھی پُل پار کر کے ملائشیا آجاتے ہیں۔ ان اپارٹمنٹس کے بارے میں حکومت کا یہ منصوبہ ہے کہ سنگاپور کے شہری رہائش کے لئے انہیں استعمال کریں کیونکہ ویزا کی پابندیاں نہیں ہیں اور صرف ایک کارڈ پر جانا آنا ہو سکتا ہے۔ سنگاپور کے علاوہ تھائی لینڈ، انڈونیشیا اور ملائشیا کی آپس میں ویزہ کی پابندیاں نہیں ہیں۔ ڈاکٹر طارق صاحب اور باقی ساتھی دوسرے تفریحی مقامات کی سیر کے لئے جاتے رہے۔ بندہ کی صحت اتنی تھکاوٹ نہیں برداشت کر سکتی تھی اس لئے میں کوالالمپور یونیورسٹی کے ہاسٹل میں آرام کرتا رہا۔

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع ان شاء اللہ ۲۸ رمئی ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ خانقاہ میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کی نماز کے بعد ہوگا۔